© rasailojaraid.com

و محیر العقول علمی و عملی کارناموں پر تیشہ چلا دیا جاتا ہے۔ میرے نزدیک یہ وبا دو طرح سے پھیلی۔ ایک تعلیم قرآن کی کمی، احادیث نبوی سے بے اعتنائی اور ان کے تراجم کی کثرت۔ دوسرے ایک محدود نصاب تعلیم اور انگریزی تمدن و تہذیب کی تقلید وغیرہ۔ یقیناً مترجمین کی نیتیں صالح اور مقاصد نیک تھے لیکن اس کا دوسرا رخ نہایت خطرناک تھا جس کا تجربہ و مشاہدہ آج ہر ہر قدم پر ہو رہا ہے۔ ہاں یہ بات خیال میں رکھنی چاہئے کہ مروجہ نصاب تعلیم جس میں زیادہ تر جماعتی عصبیت کے ماتحت تعلیم دی جاتی ہے اس سے نہ تو تحقیق کا دروازہ کھل سکتا ہے اور نہ اجتہاد و تفقہ فی الدین کا ملکہ پیدا ہوتا ہے۔ اگر یہی ہوتا تو پھر حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو ۸ سال تک صرف سورۂ بقرہ کے حقائق و معارف بارگاہِ رسالت میں نہ حل کرنے پڑتے، نہ حضرت مجاہد بن جبیرؓ کو تین بار تفسیر قرآن حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے پڑھنے کی نوبت آتی، نہ ابو محمد عبداللہ بن عطیۃ الدمشقی المتوفی ۳۸۲ھ کو قرآن کے افہام و تفہیم کیلئے ۵۰ ہزار اشعار حفظ کرنے پڑتے، اور نہ امام ابن تیمیہؒ کو ایک ایک آیت قرآن پر سو سو تفسیریں دیکھنی پڑتیں اور پھر متروک و غیر آباد مسجد میں جا کر بارگاہ رب العزت میں "یا رب ابراہیم فہمنی" کی دعائیں مانگنی پڑتیں اور اس وقت تک یہ مشغلہ جاری رہتا جب تک کہ شرح صدر نصیب نہ ہو جاتا[1]، نہ حضرت شاہ عبدالقادرؒ کو ۴۰ سال مسجد میں معتکف رہ کر درس و تدریس کلام الٰہی میں بسر کر دینے کی ضرورت تھی، نہ استاذ امام علامہ فراہیؒ کو ۳۰-۴۰ سال اس کے لئے مقصود کی طلب میں دل و دماغ کو محو کر دینا پڑتا۔

بلا ریب وسائل و ذرائع اور علوم الٰہیہ کی تحصیل کے بعد افہام و تفہیم کلام الٰہی کا واحد ذریعہ اگر کوئی چیز ہے تو وہ تزکیۂ نفس اور فیضان الٰہی ہے۔ اسی حقیقت کی جانب حضرت علامہ اقبالؒ اشارہ فرماتے ہیں :-

ترے ضمیر پہ جب تک نہ ہو نزول کتاب
گرہ کشا ہے نہ رازی نہ صاحب کشاف

آنحضرت صلعم کی صفت قرآن نے جا بجا یہ بیان کی ہے، يَتْلُوا عَلَيْهِمْ آيَاتِهِ وَيُزَكِّيهِمْ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ۔ یہ تلاوت آیات، تزکیۂ نفس اور تعلیم کتاب و حکمت پر بھی کبھی غور

[1] الرد الوافر

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کیا گیا ہے؟ اس کا جواب خود شمع نبوت کے پروانوں کی زبانوں سے سنیئے۔

حرف از زبان دوست شنیدن چہ خوش بود	یا از زبان آنکہ شنید از زبانِ دوست

حضرت ابو عبدالرحمٰن اسلمیؓ صحابہ کرام کے بارے میں فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلعم سے قرآنِ مجید کی دس دس آیات پڑھا کرتے تھے۔ الفاظ کے ساتھ عمل کا طریقہ بھی سیکھتے جاتے۔ جب ہم قرآن کا ایک حصہ ختم کرتے تو الفاظ و معانی کے ساتھ اس کے طریق عمل سے بھی واقف ہوتے جاتے۔[1] حضرت عمر بن الخطابؓ فرماتے تھے کاش میں تین باتوں کی بابت تفصیلی معلومات آپ سے حاصل کر لیتا کہ آپ ہمیں فیصلہ کن معلومات دیتے۔ دادا کی میراث کا مسئلہ، کلالہ اور چند سائل ربوا۔ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں خدا کی قسم قرآن کی کوئی سورت ایسی نہیں جس کے متعلق مجھے یہ علم نہ ہو کہ کہاں اتری اور کس کے متعلق۔ اگر مجھے یہ علم ہو جائے کہ مجھ سے زیادہ کسی کو قرآن کا علم ہے اور سواری وہاں تک پہنچ سکے تو یقیناً اس کے پاس جا کر علم قرآن حاصل کروں۔ تمام صحابہ اس سے بخوبی واقف ہیں کہ میں سب سے قرآن کی بابت زیادہ واقف ہوں حالانکہ میں سب سے بہتر نہیں ہوں۔[2] حبر الامۃ حضرت عبداللہ بن عباسؓ کے متعلق تو پوچھنا نہیں کیونکہ یہاں تو ملکوتی تائید "اللّٰھم علمہ الکتاب" حاصل تھی۔ ان واقعات پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آج کا ادعاءِ علم قرآن اس دریا کے مقابل قطرہ کی بھی حیثیت نہیں رکھتا۔ بلا شبہ آج وسائل و ذرائع کی فراوانی ہے تحصیلِ علوم و فنون کے لئے جو دشواریاں اگلوں کو تھیں وہ اب باقی نہیں رہیں۔ تاہم بارگاہِ رسالت سے بواسطہ و بلا واسطہ فیض پانے والوں کی ہمسری کا دعویٰ کون کر سکتا ہے؟ کہ یہاں تو فاھم ابر ھذہ الامۃ قلوبا واعمقھا علما واقلھا تکلفا۔ اور شہداء اللہ علی الناس کی سند حاصل ہو چکی تھی۔

بہت ممکن ہے کہ کسی کو میری اس بات سے یہ گمان ہو کہ میں تفسیر کی ہر اس روایت کو صحیح سمجھتا ہوں جو بطریق حدثنا و خبرنا ابن جریر و درمنثور وغیرہ میں موجود ہے سو میرا یہ خیال ہرگز نہیں ہے، اور یہ بھی

---

[1] ابن جریر [2] بخاری و مسلم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

نہیں ہے کہ تمام کو ترک کر کے، خود ساختہ اصول کے ماتحت قرآن حکیم کے افہام و تفہیم کے صدہا حقائق و معارف کو چھوڑ کر سلف کے طریق تفسیر کو بے معنی یقین کر لوں۔ کیونکہ مجھے علم ہے کہ تفسیری روایتوں میں سب سے زیادہ کمزور اور لغو طریق تفسیر کلبی ابونصر محمد بن سائب کا ہے اور اگر محمد بن مروان سدی صغیر کی روایت کو شامل کر لیا جائے تو یہ سلسلہ پورا کا پورا سلسلۂ کذب بن جاتا ہے۔ اسی طرح طریق مقاتل بن سلیمان ازدی اور ضحاک بھی منقطع ہے۔ بے شک طریق قیس بن مسلم کوفی جو عطا بن سائب سے روایت کرتے ہیں اور طریق ابن اسحٰق جید اور صحیح ہیں۔ صحابہ میں جن سے تفسیری روایتیں کم ہیں وہ انس بن مالکؓ، ابوہریرہؓ، عبداللہ بن عمرؓ، جابر بن عبداللہؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ، عبداللہ بن عمرو بن العاصؓ، زید بن ثابت کاتب وحیؓ، ہیں۔ تابعین میں اصحاب عبداللہ بن عباس یعنی علمائے مکہ مکرمہ ہیں جن میں مجاہد بن جبیر المتوفی ۱۰۳ھ کی تفسیر پر امام شافعی اور امام بخاری وغیرہ نے اعتماد کیا ہے۔ علامہ ابن جوزیؒ اور سیوطیؒ وغیرہ نے طبقات مفسرین میں حقیقت بالا کا ذکر کیا ہے جس سے میرے بیان کی تائید ہوتی ہے جو اہل علم پر مخفی نہیں۔

قرآن حکیم نے مختلف مقامات پر تدبر و تفکر کی جو ترغیب دلائی ہے سو اس کا یہ مقصد نہیں کہ علوم الٰہیہ اور سنن نبویہ، و اشارات سلف کو ترک کرتے ہوئے حسبنا کتاب اللہ کی آڑ میں اپنے اہوار و خواہشات کے ماتحت قرآن کی تفسیر شروع کر دی جائے۔ اگر ایسا کیا گیا تو اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہدایت کے بجائے ضلالت کی نشر و اشاعت ہوگی اور شاید اسی لئے قرآن نے بھی یُضِلُّ بِهٖ كَثِيْرًا سے اس کی طرف اشارہ کیا ہے اور شارع علیہ السلام نے اس کی تشریح من قال فی القرآن برأیہ الخ سے فرما کر ہمیشہ کے لئے اس خطرہ کا سد باب کر دیا ہے۔

مجھے اس وقت اصول تاویل پر گفتگو کرنی نہیں ہے تفصیل کے لئے فوز الکبیر وغیرہ کا مطالعہ کیا جائے۔ مختصراً یہ مدنظر رکھنا چاہئے کہ قرآن کی تفسیر جہاں تک ممکن ہو قرآن کی دوسری آیات سے کرنی چاہئے۔ پھر نظم کلام، سیاق و سباق آیات، شواہد کلام عرب، سنن و آثار نبویہ، اور طریق تفسیر اصحاب رسول اللہ صلعم

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کے ماتحت مفہوم کلام الٰہی کا سراغ لگایا جائے۔ اور قرآن حکیم کو اصل قرار دیتے ہوئے تاریخی شواہد کے لئے اگر اسفار یہود سے بھی مدد لی جائے تو چنداں مضائقہ نہیں۔ بہرحال ان سب میں مقدم ترین اصول تحصیل زبان عربی کے ساتھ ساتھ تزکیۂ نفس اور تدبر و تفکر آیات انفس و آفاق ہے جس کے بغیر نحو و بلاغت قرآن اور روح و اسرار کلام الٰہی سمجھنا دشوار ہے۔

سلسلہ خلافِ امید دراز ہوگیا اور بات سے بات نکل آئی۔ یہاں مجھے جس چیز پر کسی قدر مفصل کلام کرنا ہے وہ سنن و آثار نبوی علیہ الصلوٰۃ والتسلیم ہیں۔ اگرچہ ائمہ سلف اور علمائے دور حاضر نے اس کے اصول و قوانین، نوعیت و حیثیت اور حجت دینی ہونے یا نہ ہونے پر کافی سے زیادہ بحثیں فرمائی ہیں اور داد تحقیق دی ہے جو اپنی جگہ پر براہین قاطعہ ہیں۔ لیکن افسوس مخالفین نے سطحی معلومات سے کام لے کر عوام میں سنن و آثار نبوی سے بدظنی پیدا کر ہی دی جو تمام تر غلط فہمی و قلتِ مطالعہ پر مبنی ہے، ورنہ اصول حدیث کے مالہ و ماعلیہ کے سمجھ لینے کے بعد وہ جرأت نہیں ہو سکتی جو موجودہ عہد تحقیق میں کی جا رہی ہے۔ یہ ناچیز کوئی نئی بات نہیں پیش کرے گا بلکہ اہل علم کی ان تحقیقات کو سامنے لائے گا جو معرض خفا میں ہیں، تا کہ فیصلہ کرنے میں حق و باطل کی تمیز ہو سکے۔ السعی منی والاتمام من اللہ تعالیٰ۔

اصول حدیث یہ ایک تاریخی بات ہے کہ حضرت امام شافعی نے سب سے پہلے اصول فقہ میں ایک رسالہ لکھا اور اصول حدیث میں ابتدا قاضی ابو محمد رامہرمزی اور حاکم ابو عبداللہ نیشاپوری نے کی۔ پھر تو یہ قطرہ دریا بن گیا۔ مگر ان سب کا ماخذ قرآن کریم اور سنن و آثار نبوی ہی تھے جس کو غلطی سے آج کچھ اور ہی سمجھ لیا گیا ہے۔ سب سے بڑی خصوصیت اس فن کو یہ حاصل ہے کہ اس کے اندر اجتہاد، ظن اور تخمین کو قطعاً باریابی نہیں بلکہ یا تو مشاہدات ہیں یا مسموعات وغیرہ۔ تفصیلی بحث آگے آئے گی جس سے معلوم ہوگا کہ محدثین الفاظ جرح و تعدیل جو کچھ بیان فرماتے ہیں سب کی بنیاد محسوس مشاہدہ اور کسی نصی امر پر ہے نہ کہ رائے و قیاس پر۔ ثبوت میں ذیل کے شواہد کو بغور ملاحظہ کیا جائے کہ یہی اصول حدیث کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اساس اور بنیاد ہیں۔

(۱) یٰاَیُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ فَتَبَیَّنُوْا الخ

لفظ فسق باصطلاح قرآن متعدد معنوں میں مستعمل ہے۔ آیات ذیل پر غور کیا جائے: اَفَمَنْ کَانَ مُؤْمِنًا کَمَنْ کَانَ فَاسِقًا۔ فَفَسَقَ عَنْ اَمْرِ رَبِّہٖ۔ فَفَسَقُوْا فِیْہَا۔ فَافْرُقْ بَیْنَنَا وَبَیْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِیْنَ۔ وَلَا تَقْبَلُوْا لَہُمْ شَہَادَۃً اَبَدًا وَّاُولٰٓئِکَ ہُمُ الْفَاسِقُوْنَ۔ اِنْ جَآءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَاٍ۔ فَاِنْ لَّمْ تَفْعَلُوْا فَاِنَّہٗ فُسُوْقٌ بِکُمْ۔ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ وَلَا جِدَالَ فِی الْحَجِّ۔

احادیث میں بھی یہ لفظ آیا ہے۔ سباب المؤمن فسوق۔ اقتلوا الفويسقة۔ لا يرمي رجل رجلا بالفسق او الكفر۔ اہل عرب کا قول ہے "فسق الرطب اذا خرج عن قشرہٖ" یعنی خرمے کا چھلکے سے علیحدہ ہوجانا چنانچہ ابن الاعرابی کہتا ہے کہ "فاسق کا لفظ انسان کی صفت میں کلام عرب میں نہیں پایا جاتا ہے"۔ بہرحال ارباب لغت وغیرہ نے "فسق فلان خرج عن حجر الشرع" "الترك لامر الله" "الخروج عن طريق الحق" "من يستر نعمة الله فقد خرج عن طاعته" وغیرہ کے الفاظ جو استعمال فرمائے ہیں اس کی اصلیت کلام عرب اور لفظ کے اصلی معنی سے ماخوذ ہے۔ رہ گیا مفہوم آیت اِنْ جَآءَکُمْ الخ سو وہ یہ ہے کہ اکثر نزاعات ومناقشات کی ابتدا جھوٹی خبروں سے ہوتی ہے اس لئے اول اختلاف وتفریق کے اسی سرچشمہ کو بند کرنے کی تعلیم دی یعنی کسی خبر کو یوں ہی بے تحقیق قبول نہ کرنا چاہئے۔ امام مسلم نے اپنے مقدمہ میں اس آیت کو بھی ذکر فرما کر یہ عبارت تحریر فرمائی ہے: فدل بما ذكرنا من هذه الآي ان خبر الفاسق ساقط غير مقبول وان شهادة غير العدل مردودة۔ مفہوم واضح ہے۔ مگر حافظ ابن تیمیہ رحمہ اللہ کی تقریر ذیل پڑھ کر تھوڑی سی الجھن بڑھ گئی "نبأ الفاسق ليس بمردود

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

.... وانما امر بالتبیین عند خبر الفاسق الواحد ولم یامر بہ عند خبر الفاسقین وذالک ان خبر الاثنین یوجب من الاعتقاد مالا یوجب خبر الواحد الخ (توجیہ النظر صفحہ ۲۹)

بظاہر یہ تقریر قدما محدثین کے خلاف ہے۔ غالباً اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ آیت اِنْ جَاءَکُمْ فَاسِقٌ الخ کی تاویل علامہ موصوف کے نزدیک اور ہے اور محدثین کے نزدیک اور۔ خیر امام ابن تیمیہؒ کا جو بھی منشا ہو میرے نزدیک صحیح توجیہ یہ ہے کہ خبر فاسق نقل روایت حدیث میں سرے سے غیر مقبول ہے چاہے سامع کے دل میں اس کی صداقت پیدا ہو یا نہ ہو۔ وجہ یہ ہے کہ خبر تو محض ترجیح صدق ہی کی بنا پر حجت ہوتی ہے بخلاف فسق کے کہ اس سے ترجیح صدق کا قلع قمع ہو جاتا ہے اور کذب ہی کا پہلو راجح قرار پاتا ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ جب عقل اور دین نے اس کو ارتکاب گناہ سے باز نہیں رکھا تو پھر جھوٹ سے کیسے بچ سکتا ہے۔ بدیں وجہ فاسق کی خبر قطعاً حجت نہ ہونی چاہئے۔ ہاں اگر وہ حلت وحرمت طعام یا پانی کی نجاست وعدم نجاست کی خبر دے تو اس وقت قبول ہوگی جبکہ اس کی تائید زبردست رائے سے ہوتی ہو۔ وجہ یہ ہے کہ حلت وحرمت، نجاست وطہارت ایک امر خاص ہے بمقابل روایت حدیث کے، کیونکہ خبر کے متعلق بسا اوقات ایسی دشواریاں لاحق ہوتی ہیں کہ اس پر وقوف واطلاع پانا متعذر ہوتا ہے۔ اسی لئے جب تک دوسرے قرائن اور شواہد سے تائید نہ ہو قبول نہیں کی جا سکتی وغیرہ وغیرہ۔ اور روایت حدیث میں اس کی ضرورت نہیں کیونکہ یہاں تو عادل اور ثقہ نے تلقی اور نقل اخبار ایسے لوگوں سے کی ہے جن کو معرفت حدیث پر سماعاً پوری اطلاع حاصل ہے لہذا ان کو فاسق کی خبر پر اعتماد کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس تقریر سے یہ واضح ہو گیا کہ عام خبریں اور شہادتیں دوسری چیز ہیں اور روایت حدیث امر دیگر۔ لہذا علامہ موصوف کی تقریر کو ان امور واخبار پر محمول کیا جائے گا جن کا روایت حدیث سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

روایت اور شہادت کا فرق اس موقع پر روایت اور شہادت کے فرق کو سمجھ لینا چاہئے جس سے صدہا مشکلات

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

کا حل ہوجاتا ہے اور جس میں فرق نہ کرنے کی وجہ سے بہتوں نے ٹھوکریں کھائی ہیں۔ علامہ سیوطیؒ نے تدریب میں مفصلاً اور حافظ ابن قیمؒ نے بدائع الفوائد میں مجملاً بحثیں کرکے شہادت اور روایت کے فرق کو واضح کیا ہے۔ اصل کتاب کی جانب رجوع کرنا چاہئے۔ مباحث علم حدیث کے سمجھنے کے لئے چند اصولی فروق کو یہاں لکھا جاتا ہے:۔

روایت نام ہے عام لوگوں کو خبر دینے کا کہ جس کا مرافعہ حکام کی طرف نہ کیا جاسکے۔ بخلاف شہادت کے کہ اس میں یہ بات نہیں ہوتی اور اسی بناپر احکامات میں آگے چل کر اختلاف ہوجاتا ہے۔ اسی طرح روایت میں عدد شرط نہیں ہے اور شہادت میں یہ بحث پیدا ہوتی ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ سواد امت آنحضرت صلعم پر کبھی جھوٹ کی نسبت نہیں کرسکتی کیونکہ اسے ہر طرح کا خوف اور خطرہ ہے جو دارین کی ہلاکت اور تباہی کا پیش خیمہ ہے۔ بخلاف شہادت کے کہ دن دھاڑے جھوٹی گواہی لوگ دیتے رہتے ہیں۔[۱] دوسری وجہ یہ بھی ہے کہ کبھی راوی منفرد ہوتا ہے۔ اگر ایسی حالت میں روایت قبول نہ کی جائے تو اہل اسلام کی صد ہا مصلحتیں فوت ہوجائیں بمقابل اس بات کے کہ ایک شخص کا حق ایک شخص کی وجہ سے ضائع ہوجائے تو چنداں مضائقہ نہیں۔ نیز یہ وجہ بھی ہے کہ لوگوں میں باہم عداوتوں کی بناپر جھوٹی گواہی دینے کا جذبہ پیدا ہوتا رہتا ہے نہ کہ آنحضرت صلعم سے جھوٹ روایت کرنا وغیرہ۔ روایت میں ذکوریت شرط نہیں ہے بخلاف شہادت کے کہ اس میں

---

۱ ترجمان القرآن۔ یہ بحث محل نظر ہے۔ اس میں شک نہیں کہ امت کا سواد اعظم نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر بہتان باندھنے کا خیال بھی نہیں کرسکتا۔ مگر احاد امت نے ایسا کیا ہے اور امت نے اکثر دھوکا بھی کھایا ہے۔ اعداء دین تو خیر قصداً اشرارت کی نیت سے حدیثیں گھڑیں، مگر کیا واعظوں اور زاہدوں نے موضوعات اور ضعاف کو تکیۂ کلام نہیں بنایا؟ اور کیا ان حضرات کے اعتماد پر غیر معتبر روایتیں عامۃ الناس کے زبان زد نہیں ہوئیں؟ اسی بناپر تو محدثین نے روایات کی جانچ پڑتال میں اس سے زیادہ سختی کی ہے جس قدر قانون شہادت کی رو سے قاضی کرتا ہے۔ اور اسی بناپر اخبار احاد کا حدیثیں وہ درجہ نہیں جو مشہورات کا ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ خبر واحد کو محض خبر واحد ہونے کی وجہ سے رد نہیں کردیا گیا، بلکہ راویوں کے احوال اور سلسلۂ اسناد کی کیفیت کو دیکھ کر رائے قائم کی گئی ہے جو سراسر معقول ہے۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

بعض مواقع میں ذکوریت شرط ہے۔ اسی طرح جھوٹ سے توبہ کرنے والے کی شہادت مقبول ہے لیکن روایت غیر مقبول۔ اگر کوئی ایک روایت میں جھوٹا ثابت ہوگیا تو اس کی جمیع روایات غیر مقبول ہو جاتی ہیں۔ بخلاف شہادت کے کہ اگر ایک مرتبہ جھوٹی معلوم ہو جائے تو اس سے پہلے کی شہادتیں رد نہیں کی جائیں۔ اہل علم پر مخفی نہیں کہ صحیح مذہب کی بنا پر تنہا ایک شخص کی جرح و تعدیل روایت میں معتبر ہو جاتی ہے نہ کہ شہادت اور گواہی۔ غور کرو اگر کسی نے روایت کی اور پھر اس سے رجوع کر لیا تو روایت اور عمل دونوں ساقط ہو جائیں گے۔ شہادت میں یہ بات نہیں ہوتی ہے۔ یہاں تو حکم کے بعد رجوع کر ہی نہیں کرسکتا۔ اس فرق کو سمجھو تا کہ فنِ حدیث کی اہمیت کا اندازہ ہو اور آنے والے مباحث کے پیچ و خم ایک ایک کر کے واضح ہو جائیں۔

(۲) یَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ۔ وَاَشْهِدُوْا ذَوَيْ عَدْلٍ مِّنْكُمْ۔ لفظ عدل کی لغوی تحقیق طویل ہے۔ قرآن حکیم میں یہ لفظ مختلف مقامات پر بیان ہوا ہے۔ سورۂ مائدہ کی ایک آیت میں یہ لفظ دو جگہ موجود ہے۔ يَحْكُمُ بِهٖ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ هَدْيًا بٰلِغَ الْكَعْبَةِ اَوْ كَفَّارَةٌ طَعَامُ مَسٰكِيْنَ اَوْ عَدْلُ ذٰلِكَ صِيَامًا الخ۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ عبادات ہوں خواہ معاملات، اخلاقیات ہوں خواہ سیاسیات، مذہب سب کا ضامن اور قرآن مہیمن ہے۔ قرآن کریم کا یہ حکم ہے کہ تم میں سے وہ لوگ ایسے امور میں فیصلہ کریں جو صاحب بصیرت، معتبر، اور تجربہ کار ہوں کیونکہ یہ چیزیں ایسی ہیں جن سے ایک شخص کے کیرکٹر کی بلندی، صداقت اور اس کے عادل ہونے کی شہادت دی جاسکتی ہے، جو عند اللہ معتبر ہے۔ پھر کوئی وجہ نہیں کہ عند الناس معتبر نہ ہو۔ ہاں بعضوں کو یہ طالب علمانہ شبہہ ہو سکتا ہے کہ متقی اور عادل وغیرہ ہونا اوصاف باطنی ہیں، اس کی تمیز کس چیز پر رکھی جائے؟ رہا ظاہری تقویٰ و طہارت تو اس کی بابت خود محدثین کو تلخ تجربہ ہے۔" اس کا جواب یہ ہے کہ آیاتِ بالا کے عموم سے یہ بات پایۂ ثبوت کو پہنچ چکی ہے کہ ظاہر پر حکم نہ دینا اور باطن پر معلق رکھنا تکلیف مالا یطاق ہے۔ لَا يُكَلِّفُ

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

اللہ نفسا الا وسعھا۔ پھر کیا یہ حکم مصلحت وحکمت خداوندی کے خلاف نہیں ہے؟ خدا تو حکم دیتا ہے کہ تم میں سے دو عادل شخص اس پر حکم لگائیں۔ اب کیا یہ کہا جا سکتا ہے کہ عدالت کا علم نہیں ہو سکتا لہذا خدا کا یہ حکم نعوذ باللہ بے معنی اور لائق اعتماد نہیں ہے؟ کیا آیات مذکور میں محض تصرف باطنی کا حکم ہے یا محض ظاہر بینی کا؟ خوب غور کر لیا جائے تاکہ یحکم بہ ذوا عدل منکم کا مفہوم واضح ہو جائے۔ بخاری میں ہے "عن عبد اللہ بن عمر عن سعد بن وقاص عن النبی صلعم انہ مسح علی الخفین وان عبد اللہ بن عمر سأل عمر عن ذلک فقال نعم اذا حدثک شیئاً سعد عن النبی صلعم فلا تسأل عنہ غیرہ۔ نیز بیہقی نے مدخل میں حضرت عبد اللہ بن عباس سے مرفوعاً اور موقوفاً روایت کیا ہے "لا تاخذ وا العلم الا ممن تقبلون شہادتہ" وروی ایضا من طریق الشعبی عن ابن عمر عن عمرؓ قال کان یامرنا ان لا ناخذ الا عن ثقۃ۔

لفظ ثقہ کوئی غیر مانوس لفظ نہیں ہے، بلکہ اس کی اصل کلام عرب میں پائی جاتی ہے۔ زہیر کہتا ہے:-

اخی ثقۃ لا تہلک الخمر مالہ ولکنہ قد یہلک المال نائلہ

اس کی جمع ثقات وغیرہ آتی ہے یعنی قابل اعتبار، دیانت دار، اور معتبر لوگ۔ لہذا سمجھ لینا چاہئے کہ محدثین کرام جب اس لفظ کو بولتے ہیں تو تنہا یہ لفظ قبول روایت کے لئے کافی ہوتا ہے۔ اور یہ ایک ایسا وصف ہے کہ دنیا میں خبروں کے رد وقبول کے لئے ہر جگہ مسلم ہے، اسی وصف کو ہر شخص ہر خبر دینے والے میں دیکھتا ہے اور عرفاً اس کے مفہوم کو بھی جانتا ہے۔ مگر کسی قوم نے مسلمانوں سے بڑھ کر اس کا عملاً لحاظ نہیں کیا چنانچہ علامہ ابن حزم بالکل صحیح فرماتے ہیں:-

"نقل الثقۃ عن الثقۃ حتی تبلغ بہ النبی صلعم مع الاتصال خص اللہ بہ المسلمین دون سائر الملل"[1]

خلاصہ یہ ہے کہ محدثین جب لفظ عدالت بولتے ہیں تو اس کے متداول معنی مراد نہیں ہوتے بلکہ صرف

[1] تدریب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

عدالت فی روایت الحدیث مراد ہوتی ہے۔ اور اس عدالت کی حقیقت روایات میں اجتناب عن الکذب ہے
شاید کسی کو یہ شبہ ہو کہ راویوں کو سچا سمجھنا تو خود محدثین کی رائے ہے جو محض ظنی اور اجتہادی چیز ہے۔ سو اسے
معلوم ہونا چاہئے کہ شخص عادل وضابط کے بیان پر وثوق کرنا اور سچا سمجھنا تو نصی اور اتفاقی مسئلہ ہے صرف
اہل اسلام کا نہیں بلکہ تمام دنیا کا۔ گواہ عادل کی گواہی پر حکم لگانا نصی اور اتفاقی بات ہے۔

نصوص ذیل پر ایک اجمالی نظر

(۳) یٰایُّہَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَتَبَیَّنُوْا،
(۴) مِمَّنْ تَرْضَوْنَ مِنَ الشُّہَدَآءِ، (۵) لَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوْہُ ظَنَّ الْمُؤْمِنُوْنَ وَالْمُؤْمِنٰتُ
بِاَنْفُسِہِمْ خَیْرًا وَّقَالُوْا ھٰذَا اِفْکٌ مُّبِیْنٌ، (۶) وَلَوْلَا اِذْ سَمِعْتُمُوْہُ قُلْتُمْ مَا یَکُوْنُ
لَنَا اَنْ نَّتَکَلَّمَ بِھٰذَا سُبْحٰنَکَ ھٰذَا بُہْتَانٌ عَظِیْمٌ، (۷) لَعْنَۃَ اللّٰہِ عَلَی الْکٰذِبِیْنَ،
(۸) لَقَدْ کَانَ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ، (۹) وَعِبَادُ الرَّحْمٰنِ الَّذِیْنَ یَمْشُوْنَ
عَلَی الْاَرْضِ ہَوْنًا وَّاِذَا خَاطَبَہُمُ الْجٰہِلُوْنَ قَالُوْا سَلٰمًا، (۱۰) کفی بالمرء کذبا
ان یحدث بکل ما سمع، (۱۱) من کذب علی متعمدا فلیتبوأ مقعدہ من النار الخ
(۱۲) نضر اللہ امرأ سمع مقالتی فوعاہا واداہا، (۱۳) من رغب عن سنتی فلیس منی،
(۱۴) لیبلغ الشاہد الغائب، (۱۵) ارجعوا الی اہلیکم فعلموہم، (۱۶) صلوا کما
رأیتمونی اصلی، (۱۷) بلغوا عنی ولو آیۃ وحدثوا عن بنی اسرائیل ولا حرج، (۱۸)
من حدث عنی بحدیث یری انہ کذب فہو احد الکاذبین۔

ان نصوص پر غور کرنے اور ان کے صریح اور لطیف اشارات کو مد نظر رکھنے سے مندرجہ ذیل باتیں
بادنیٰ تامل سامنے آجاتی ہیں،

(۱) قرآن حکیم کے حکم وَذَکِّرْہُمْ بِاَیّٰمِ اللّٰہِ وغیرہ آیات نے مسلمانوں کو فن حدیث کی طرف متوجہ
کیا اور لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ اُسْوَۃٌ حَسَنَۃٌ نے آتش بر روغن کا کام دیا۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

(۲) نصوص بالاہی نے مجبور کیا کہ سنن و آثار نبوی کی تحفظ کے لئے اصول و قوانین مرتب و منظم شکل میں پیش کئے جائیں جو ذریعہ ہوں آنحضرت صلعم کے اقوال و افعال کے تحفظ کا۔

(۳) قانون تنقید کی ایجاد، احکامات اور فضائل و ہدایات جن کو آنحضرت صلعم نے وقتاً فوقتاً ارشاد فرمایا تھا اور جو درحقیقت انہیں نصوص بالا کی تفسیریں ہیں، ان کو بقا اور دوام حاصل ہونا۔

(۴) آنحضرت صلعم کے ساتھ صحابہ کی محبت، ان کا اخلاص اور جوش فدویت و شغف جس نے اصحاب رسول اللہ صلعم کو آنحضرت صلعم کی ہر ادا کا شیدا بنا دیا تھا۔ اس لئے ضرورت داعی ہوئی کہ مستقل قوانین و اصول کے ماتحت آئندہ تحریف اور تصحیف سے آپکے ارشادات کو پاک رکھا جائے۔

(۵) محدثین نے رواۃ کی نسبت جو کچھ الفاظ جرح و تعدیل بیان فرمائے ہیں تمام کی بنا حس اور مشاہدہ ہے نہ کہ رائے و قیاس۔ بلکہ زیادہ تر تجربیات ہیں۔ قرآن نے خود تجربہ کے لئے امارات بتائے، چنانچہ آیت[۹] میں غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ چیز حسی اور مشاہدات سے ہے۔ غرض جو کچھ ثقاہت و عدالت کی نشانیاں قرآن میں بتائی گئی ہیں یا احادیث میں وارد ہوئیں ہیں وہ سب حسی اور مشاہدات سے ہیں۔ پس ان امارات و علامات سے ثقاہت و عدالت ثابت ہو جاتی ہے۔ کیونکہ یہ نفسی امر ہے۔ ان امارات ثقاہت و عدالت کے ساتھ عدم ظہور فسق اور غیر متہم ہونا ان امارات کا موثق اور مصدق ہے۔ راوی اور مروی عنہ کی معاصرت، ان کا آپس میں لقا، سماع، یہ سب امور مسموعات یا مشاہدات سے ہیں۔ دو شخصوں کی معاصرت یا آپس کے ملنے جلنے اور سماع کو شخص حاضر رویت و مشاہدہ سے جانتا ہے۔ غائب حاضر کی شہادت سے جان سکتا ہے۔ رواۃ کا ثقہ ہونا حاضرین کو ملاقات اور تجربہ سے معلوم ہوتا ہے اور غائبین کو اُن کی شہادت اور اُن کے درمیان شہرت سے۔ پس کسی محدث کا کسی حدیث کو صحیح یا ضعیف یا موضوع وغیرہ کہنا مسائل اجتہادیہ میں داخل نہیں ہو سکتا۔ فقیہ اپنی رائے و قیاس پر خود ایسا اعتماد نہیں رکھتا کہ حتمی حکم لگائے اور عمل کرنا واجب قرار دے۔ بخلاف محدثین کے کہ وہاں روایت کے صحیح ثابت ہو جانے پر عمل کرنا واجب ہو جاتا ہے "انھم اتفقوا علی وجوب

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

العمل بکل ما صح" یعنی تمام مسلمانوں کا اتفاق ہے کہ جو حدیث آنحضرت صلعم سے صحت کو پہنچ جائے گی اس پر عمل واجب ہو گا۔

یہ ایک اجمالی نقشہ تھا جو پیش کیا گیا۔ اصحاب رسول اللہ صلعم نے انہیں نصوص سے اصول حدیث اور قواعد روایت استنباط فرمائے۔ احادیث کی تحقیق و تنقید اور فن جرح و تعدیل کی ایجاد خود حضرت عمر فاروقؓ نے کی ہے۔

واقعات ذیل پر غور کیا جائے :۔

حضرت ابو موسیٰ اشعریؓ ایک مرتبہ آپ سے ملنے آئے اور تین دفعہ استیذان کے قاعدہ پر السلام علیکم فرمایا حضرت عمرؓ اس وقت کسی کام میں مصروف تھے اس لئے متوجہ نہ ہوئے۔ کام سے فارغ ہو چکنے کے بعد فرمایا کہ ابو موسیٰ کہاں ہیں؟ وہ آئے تو فرمایا کہ کیوں واپس گئے؟ ابو موسیٰؓ نے کہا میں نے رسول اللہ صلعم سے سنا ہے کہ تین مرتبہ اذن مانگو، اگر اس پر بھی اجازت نہ ملے تو واپس جاؤ۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا اس روایت کا ثبوت دو ورنہ میں سزا دوں گا۔ ابو موسیٰ اشعریؓ گھبرائے ہوئے صحابہ کے پاس گئے اور قصہ واقعہ بیان کیا۔ حضرت ابو سعید خدریؓ نے آکر تصدیق کی کہ میں نے آنحضرت صلعم سے یہ حدیث سنی ہے۔ ابی بن کعب نے فرمایا عمر تم رسول اللہ صلعم کے اصحاب کو عذاب دینا چاہتے ہو؟ فرمایا میں نے ایک روایت سنی اور اس کی تصدیق کرنی چاہی۔ چنانچہ جب سقط کا مسئلہ پیش آیا تو حضرت عمرؓ نے صحابہ سے مشورہ طلب کیا مغیرہ بن شعبہؓ نے اس کے متعلق ایک حدیث روایت کی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا کہ تم سچے ہو تو اور کوئی گواہ لاؤ۔ جب محمد بن مسلمہ نے تصدیق کی تب حضرت عمرؓ نے تسلیم کیا۔ اسی طرح حضرت عباسؓ کے مقدمہ میں ایک حدیث پیش کی گئی تو حضرت عمرؓ نے تائیدی شہادت طلب کی۔ لوگوں نے شہادت دی۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا مجھ کو تمہاری نسبت بدگمانی نہ تھی لیکن میں نے حدیث کے متعلق اطمینان کرنا چاہا۔ غرضیکہ حضرات خلفائے اربعہ نے اسی اصول کے ماتحت ضرورت کے وقت صحابہ سے استفسار فرما کر احادیث و فیصلۂ نبوی کی

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

جستجو و تحقیق فرمائی۔ یہ اور اس طرح کے کتنے واقعات ہیں جن سے روایات کے رد و قبول پر روشنی پڑتی ہے۔

لیکن افسوس ہے کہ لوگوں نے ان واقعات سے ناجائز فائدہ اٹھا کر مخلوق الٰہی کو سنن و آثار نبوی سے بدظن کر دینے کی کوشش کی ہے، حالانکہ انھیں اگر تحقیق مدنظر ہے تو اس کا موقع قیامت تک ہے۔ کرتے رہیں۔ لیکن تصویر کے ہر رخ پر نظر رکھتے ہوئے قدم اٹھائیں اور جس طرح اپنے مدعا کے ثبوت میں کتب طبقات و رجال وغیرہ سے دلائل پیش کرتے ہیں خدارا اسی جگہ دوسرے رخ کو بھی ملاحظہ فرمالیں۔ یہ عیب کی بات ہے کہ نُؤْمِنُ بِبَعْضٍ وَنَكْفُرُ بِبَعْضٍ پر عمل کیا جائے اور اس کا نام تحقیق و اجتہاد رکھا جائے اس طرح کے جملہ شکوک و شبہات پر مفصل بحثیں تذکرۃ الحفاظ، فتح الباری، اور جامع بیان العلم و فضلہ لابن عبدالبر، و تاویل مختلف الحدیث وغیرہ میں پوری دیانت اور ایمانداری کے ساتھ موجود ہیں جن کے اعادہ کی ضرورت نہیں۔ ستم تو یہ ہے کہ حضرات شیخین رضؓ پر یہ اتہام لگایا جاتا ہے کہ روایت حدیث کے مخالف تھے لیکن انہیں کیا معلوم کہ خود حضرت ابوبکر رضؓ سے (۱۴۲) اور حضرت عمر رضؓ سے (۵۳۷) احادیث مروی ہیں [1] نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے تو خلیفہ اول رضؓ کی مرویات کو آٹھ سو بیان فرمایا ہے۔[2]

اصحاب رسول اللہ صلعم کو اپنی ذمہ داری اور رسول اللہ صلعم پر غلط گوئی سے بچنے کی اس درجہ احتیاط تھی کہ جس کی نظیر ملنا مشکل ہے۔ صرف حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ کے اس واقعہ کو سامنے رکھئے۔ عمر بن شیبانی کہتے ہیں کہ میں ابن مسعود رضؓ کے پاس بیٹھا کرتا تھا وہ قال رسول اللہ کبھی نہیں کہتے تھے اور جب قال رسول اللہ کہتے تھے تو مارے ڈر کے کانپنے لگتے تھے اور کہتے تھے کہ رسول اللہ نے اس طرح فرمایا یا ایسا ہی فرمایا یا تقریباً ایسا ہی فرمایا، یا۔ یا۔ یا۔ اس کامل احتیاط کے باوجود آپ سے (۸۴۸) احادیث مروی ہیں [3] حضرت عبداللہ بن مسعود رضؓ اپنے تلامذہ کو تاکید فرماتے کہ روایت حدیث میں کسی طرح بے احتیاطی نہ ہونے پائے۔ علماء نے لکھا ہے، یُشدد فی الروایۃ ویزجر تلامذتہ عن التھاون فی ضبط

---

[1] تلقیح فہوم الاثر [2] تقصار جیود الاحرار صفحہ ۷ [3] تلقیح فہوم الاثر۔

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

الالفاظ“ چنانچہ اسی احتیاط کی بنا پر ایک صحابی دوسرے صحابی کو غلط فہمی کے سوا کذب کا مصداق نہیں ٹھہراتا تھا۔ تاہم عامہ صحابہ کا خوف یکساں نہ تھا اور نہ سب کی طبیعت یکساں ہونی ممکن ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہم سیرۃ رسول سے بالکل محروم رہ جاتے۔ حضرت ابوذر غفاریؓ کا واقعہ بخاری میں موجود ہے فرماتے ہیں، لو وضعتم الصمصامۃ علی ھذا واشار الی قفاہ ثم ظننت انی انفذ کلمۃ سمعتھا من النبی صلعم قبل ان تجیزوا علی لانفذتھا“ یہ ہیں وہ واقعات جن کی روشنی میں اصول حدیث کی اہمیت اور ناقابل تردید جدوجہد کا سراغ ملتا ہے کہ یہ فن کس قدر اپنے اندر صحیح اور عقلی حقائق و معارف رکھتا ہے۔ (باقی)

اہل علم کی خوش قسمتی

ذیل کی جلیل القدر کتابوں کی قیمتوں میں مزید تخفیف

اہل علم کی خوش بختی ہے کہ کتب ذیل کی قیمتیں آجکل بہت ہی کم ہو رہی ہیں اور کئی مہینے سے دفتر الفرقان کی طرف سے ان کا اعلان کیا جا رہا ہے لیکن اب اسی مہینے جو تازہ مال مصری آیا ہے وہ پہلے سے کچھ ارزاں پڑا ہے اسلئے اسی تناسب سے ہم نے بھی انکی قیمتوں میں مزید تخفیف کر دی ہے۔

اب یہ فائدہ اٹھانیکا خاص وقت ہے جو شائد پھر ہاتھ نہ آئے

تفسیر ابن کثیر مصری جدید الطبع (اس مرتبہ حاشیہ پر کوئی دوسری کتاب نہیں چھپی ہے) قیمت صرف عہ

حجۃ اللہ البالغہ مصری از حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی ابھی حال میں نہایت نفیس کاغذ پر طبع ہوئی ہے قیمت صرف ۳ روپے

فتح القدیر شرح ہدایہ اس مرتبہ بھی حسب سابق عنایہ و حاشیہ چلپی ہامش پر ہے کامل آٹھ جلد اور قیمت اب صرف ۲۰ عہ

زرقانی شرح مواہب لدنیہ حاشیہ پر زاد المعاد کامل آٹھ جلد قیمت اس وقت صرف ۱۲ عہ

نوٹ:۔ کم از کم ۱۰ کی کتابیں یکمشت خریدنے والے حضرات کو چھ ماہ کیلئے اور ۲۵ کی کتابیں خریدنے والوں کو ایک سال کیلئے الفرقان مفت جاری ہوگا

(یہ اور دوسری قسم کی دینی علمی کتابیں بکفایت ملنے کا پتہ

دفتر الفرقان بریلی یوپی یاد رکھیئے

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

تنزیل و تاویل

امثال القرآن

از جناب مولوی محمد ایوب صاحب جیراجپوری

© rasailojaraid.com

[قرآنی مباحث میں امثال کی جو اہمیت ہے اس کا اندازہ قرآن کے ہر طالب علم کو ہوگا۔ یہ مثلیں اپنے اندر بے شمار اسرار اور حقائق کا خزانہ رکھتی ہیں، جن کے سمجھنے کے بعد قرآنی اعجاز بلاغت کا کمال معلوم ہو سکتا ہے۔ علامہ ابن قیمؒ کا نام قرآنی بصیرت رکھنے والوں میں ایک نمایاں مقام رکھتا ہے۔ موصوف کی مجتہدانہ ژرف نگاہی اور قرآن فہمی کسی صاحب نظر سے پوشیدہ نہیں۔ اپنی تصنیف اعلام الموقعین میں انھوں نے ایک مفید بحث خاص امثال القرآن کے متعلق فرمائی ہے۔ عام استفادہ کی خاطر اس کا آزاد ترجمہ ناظرین کے سامنے پیش کرتا ہوں (ایوب جیراجپوری)]

تمثیل کی غرض یہ ہوتی ہے کہ کسی غیر واضح اور غیر محسوس حقیقت کو مخاطب کے فہم سے قریب تر لانے کیلئے کسی ایسی چیز سے تشبیہ دی جائے جو واضح اور محسوس ہو۔ دوسرے الفاظ میں یوں سمجھو کہ جو چیز عام نگاہوں سے اوجھل ہوتی ہے تمثیل کے ذریعہ سے گویا اس کا مشاہدہ کرا دیا جاتا ہے۔ قرآن حکیم میں یہ طرز بیان بڑی کثرت کے ساتھ اختیار کیا گیا ہے کیونکہ جن حقائق سے وہ آگاہ کرنا چاہتا ہے وہ قریب قریب سب کے سب غیر مرئی و غیر محسوس

© rasailojaraid.com

© rasailojaraid.com

ہیں۔ لہذا قرآن مجید کی تمثیلات کا مضمون بڑی اہمیت رکھتا ہے اور اس میں تدبر کرنا مطالب قرآن کو سمجھنے کے لئے نہایت ضروری ہے۔

(۱) قرآن منافقین کے بارے میں کہتا ہے:۔

مَثَلُهُمْ كَمَثَلِ الَّذِي اسْتَوْقَدَ نَارًا	ان کی مثال اس شخص کی سی ہے جس نے آگ جلائی، پھر جب اسکے
فَلَمَّا أَضَاءَتْ مَا حَوْلَهُ ذَهَبَ اللَّهُ بِنُورِهِمْ	آس پاس کی چیزیں چمک اٹھیں تو اللہ نے ان کا نور سلب کر لیا
وَتَرَكَهُمْ فِي ظُلُمَاتٍ لَا يُبْصِرُونَ ۝ صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ	اور ان کو تاریکیوں میں چھوڑ دیا کہ ان کو کچھ سوجھتا ہی نہیں۔
فَهُمْ لَا يَرْجِعُونَ ۝ أَوْ كَصَيِّبٍ مِنَ السَّمَاءِ فِيهِ	بہرے گونگے اندھے ہیں کہ وہ پھر (راہ راست پر) نہیں آسکتے۔
ظُلُمَاتٌ وَرَعْدٌ وَبَرْقٌ يَجْعَلُونَ أَصَابِعَهُمْ	یا مثلاً آسمانی بارش آئی جس میں تاریکیاں ہیں اور گرج اور بجلی
فِي آذَانِهِمْ مِنَ الصَّوَاعِقِ حَذَرَ الْمَوْتِ	کڑک کا یہ حال ہے کہ وہ جان کے خوف سے کانوں میں انگلیاں
وَاللَّهُ مُحِيطٌ بِالْكَافِرِينَ ۝ يَكَادُ الْبَرْقُ	دے لیتے ہیں اور چمک کا یہ زور ہے کہ آنکھیں اندھی ہوئی جاتی ہیں۔
يَخْطَفُ أَبْصَارَهُمْ كُلَّمَا أَضَاءَ لَهُمْ مَشَوْا	اور کافروں کو چاروں طرف سے اللہ نے گھیر رکھا ہے۔ جب جب انکے
فِيهِ وَإِذَا أَظْلَمَ عَلَيْهِمْ قَامُوا وَلَوْ شَاءَ	آگے بجلی چمکی وہ اس کی روشنی میں کچھ دور چل لیے اور جب ان پر
اللَّهُ لَذَهَبَ بِسَمْعِهِمْ وَأَبْصَارِهِمْ إِنَّ	تاریکی چھاگئی تو کھڑے (کے کھڑے) رہ گئے۔ اور اگر اللہ چاہتا
اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ۝ (بقرہ-۲)	تو ان کی سننے اور دیکھنے کی قوتیں سلب کرلے۔ بیشک اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

اس مقام پر اللہ تعالیٰ نے منافقین کے حسب حال دو تمثیلیں بیان کی ہیں۔ ایک ناری دوسری آبی۔ غور کرو تو معلوم ہوگا کہ اس میں فلسفۂ ہدایت کی گہری حکمت پنہاں ہے۔ یہی دونوں چیزیں (آگ اور پانی) روشنی اور زندگی کا سرچشمہ ہیں۔ آگ روشنی کی اصل ہے اور پانی زندگی کی اصل ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنی وحی کے متعلق فرماتا ہے کہ اس کے اندر دلوں کے لئے زندگی اور نور ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام اس نے روح

© rasailojaraid.com